ڈاکٹر محمد اشرف کمال*

نشانیات: نشانات کی سائنس

Abstract: *Semiotics is a branch of Linguistics. It is also true to say that Semiotics and Linguistics both are related to each other. Semiotics deals with the system of signs in languages. It shows the relation between signs and their meanings which occur in a language. To know about the systems of languages and their scripts, it is necessary to study Semiotics. Semiotics means the study of the process of conversion of signs into meaningful words.*
Ferdinand de Saussure defined it as "the life of signs within society." It can be a great help and a guiding force for any anthropological and sociological study.

نشان کیا ہے؟نشان دراصل کسی چیز یا شے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔شے ظاہری بھی ہو سکتی ہے اور باطنی بھی۔دنیا کو سمجھنے اور اس کائنات کا علم حاصل کرنے کے لیے اس کی ہر چیز کو نشانات کی مدد سے متعینہ معانی کے تحت ایک نظام وضع کیا گیا ہے۔یہ نظام دو چار برسوں میں وجود میں نہیں آیا بلکہ اس کی شروعات انسان کی پیدائش ہی سے ہو گئی تھیں۔اپنے اپنے دائرے میں یہ نشانات اپنا اپنا نظام رکھتے ہیں جسے ہم نشانات کے علم کے طور پر "نشانیات" قرار دیتے ہیں۔

انگریزی کی اصطلاح Semiotics کو ہم اردو میں نشانیات کہتے ہیں۔انگریزی میں نشانات کے مطالعے کے علم کو Semiology بھی کہا جاتا ہے اسے بھی اردو میں نشانیات کا نام دیا گیا ہے۔

نشانیات دراصل علم کی اس شاخ کا نام ہے جس میں پوری کائنات کو نشانات میں تقسیم کر کے ان نشانات کی مدد سے مختلف چیزوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے یا اُن نشانات کی مدد سے ان اشیاء کا علم حاصل کیا جاتا ہے۔ہم سماج میں اپنے قیام، اپنے ارد گرد کے ماحول، لوگوں سے تعلقات، بات چیت، جذبات واحساسات غرض ہر تعلق کو ان نشانات کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔بقول مرزا خلیل احمد بیگ:

"یہ بات قابل ذکر ہے کہ نشانات کے تمام تر امکانات کا استعمال ترسیلی مقاصد اور اطلاع رسانی(Communication) کے لیے کیا جاتا ہے اور نشانیات کا علم ہمارے لیے ایک ایسا دائرہ کار فراہم کرتا ہے جسے بروئے کار لا کر ہم انسانی ذرائع ترسیل کے تمام پہلوؤں کا پتا لگا سکتے ہیں، خواہ وہ جسمانی حرکات ہوں یا قوت سماعت سے محروم لوگوں کے لیے استعمال کی جانے والی نشانات پر مبنی زبان (Sign Language یا محض تکلمی طریقہ ترسیل یعنی لسان(Language)۔" (۱)

* صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج بھکر

آرچی بیلڈ اے ہل(Archibald A hill)(1902ء-1992ء)نے 1958 میں شائع ہونے والی اپنی کتاب انٹروڈکشن ٹو لنگوسٹک سٹرکچر(Introduction to linguistics structure, Harcourt brace) میں زبان کو علامتوں کا سیٹ قرار دیا۔ اس نے نشان کی جگہ لفظ علامت استعمال کیا۔نشان کو جب کسی معنی کی تفہیم کے لیے مختص قرار دے دیا جائے تو وہ علامت بن جاتی ہے۔اس کے خیال میں دنیا میں تمام چیزیں مختلف گروپوں کی شکل میں موجود ہیں۔اور ہم ان گروپوں کو ایک نشان مختص کر کے ایک لفظ کے تحت جانتے ہیں۔(۲)

"Language, that of bees, is a set of body movements not sounds."(۳)

نشانیات کے علم کا باقاعدہ آغاز ساسر نے انیسویں صدی میں کیا۔ساسر کے انتقال کے بعد امریکہ میں بھی نشانیات پر کام ہوا۔ یورپ میں اسے سیمیالوجی کہا جاتا ہے جبکہ امریکہ میں اسے سیماٹکس کا نام دیا گیا۔لنگوسٹک سوسائٹی آف امریکہ کا قیام1924ء میں عمل میں آیا۔اس سوسائٹی کے تحت مختلف کتابوں اور رسالوں کے ذریعے زبان کے مطالعہ کو فروغ دینے کی کوششیں کی گئیں۔نشانیات کے حوالے سے کام کیا گیا۔(۴)

امریکی فلسفی چارلس سینڈر پائرس(Charles sander Peirce)نے نشانیات کے حوالے سے متنوع کام کیا۔اس کے کام کی وجہ سے اس کا نام بھی نشانیات کے حوالے سے ساسر کی طرح اہمیت حاصل کر گیا۔اس کی کتابوں میں نشانیات کے حوالے سے A theory of semiotics (1975), اہمیت کی حامل ہے۔چارلس سینڈرز پائرس نے نشانیات کی 76 سے زیادہ تعریفیں بیان کیں۔

"Charles sander Peirce describes it simply as the doctrine of signs". (۵)

چارلس کے خیال میں

"Semiotic, so understood, is defined as the analytic study of essential conditions to which all signs are subject."(۶)

چارلس نے نشانات کے فنکشن اور اس کے صحیح استعمال پر روشنی ڈالی۔تمام شعبوں میں ان نشانات کی حقیقت کیا ہے۔نشانات کی فارمل سائنس میں اس بات کا مطالعہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان نشانات کی فارم کیا ہے بلکہ جن چیزوں کے لیے یہ نشانات مختص کیے گئے ہیں ان کی ساخت کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور یہ نشان پہلے سے ان چیزوں کے لیے بولنے اور لکھنے میں استعمال کیے جاتے ہیں۔وہ لکھتا ہے:

A sign or representation in a first which stands in such a genuine triadic relation to a second, called its object, as to be capable of determining a Third, called its Interpreting, to assume the same triadic relation to its Object in which it stands itself to the same Object. The triadic relation is genuine, that is its three members are bound together by it in a way that does not consist in any complexes of dyadic relation.(۷)

نشان انسانی زندگی، زبان اور لسانیات کے حوالے سے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ نشانات ہی کے ذریعے چیزوں، لوگوں اور دنیا کی تشریح و توضیح کی جاسکتی ہے۔ چارلس سینڈر پائرس لکھتے ہیں:

> "A sign, or representation is something which stands to somebody for something in some respect or capacity". (۸)

چارلس ایک ایسا سسٹم بنانے میں دلچسپی رکھتا تھا جس کے تحت وہ سائنس کی مختلف اقسام کو الگ الگ کر سکے۔ کلاسیفیکیشن آف سائنسز پر بات کرتے ہوئے اس نے سائنس کا لفظ نہ صرف ان علوم کے لیے استعمال کیا جو کہ لیبارٹری سائنسز کے زمرے میں آتے تھے بلکہ اس نے human science جیسا کہ ethnology کی بھی بات کی اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخ اور ادبی و فنی تنقید کے شعبہ کو بھی سائنس کی قسم (disciplines) قرار دیا۔ ان کو بعد میں اس نے مزید تقسیم کرتے ہوئے سائنس آف ڈسکوری، ریویو اور پریکٹیکل سائنس کی بات کی۔

بقول چارلس سینڈرز پائرس:

> "In Peirce's theory of signs, a sign is something that stands in a well-defined kind of relation to two other things, its object and its interpreting sign. Although Peirce's definition of a sign is independent of psychological subject matter and his theory of signs covers more ground than linguistics alone, it is nevertheless the case that many of the more familiar examples and illustrations of sign relations will naturally be drawn from linguistics and psychology, along with our ordinary experience of their subject matters." (۹)

اس نے فارمل سائنس formal science میں فلاسفی کو شامل کیا اور سیمانٹکس کو بھی فلاسفی کی شاخ قرار دیا کہ بنیادی طور اس کا تعلق سچائی کے سوال سے ہے۔

پائرس نے نے نشانیات کے حوالے سے بیسویں صدی کے اوائل میں جو نظریہ پیش کیا، اس کی جدید ادبی تھیوری میں لسانی حوالے سے بہت اہمیت ہے۔ سہیل احمد خان لکھتے ہیں:

"پیئرس کے خیال میں نشانات کے وجود میں آنے اور اُن کی تشریح کا سلسلہ حقیقت کے ادراک کے لیے ناگزیر ہے۔ نشان کسی معروض (object) کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اُس اشارے کو سمجھنے والا اور پھر وہ قانون، جس نے اس اشارے کو جنم دیا، یہ سب نشانیات کی جہتیں ہیں۔ پیئرس تین قسم کے نشانات کی وضاحت کرتا ہے:

۱۔Iconic: جہاں نشان اُس شے سے مماثل ہوتا ہے جس کی وہ نشاندہی کرتا ہے مثلاً کوئی تصویر اُس شخص کی نمائندگی کرتی ہے۔

۲۔Indexical: جہاں نشان کسی طرح اُس شے سے منسلک ہوتا ہے جس کی نشاندہی کی جارہی ہے (مثلاً دھواں، آگ کے نشان کے طور پر)

۳۔Symbolic: جہاں کسی شے کو روایتی طور پر یا کسی بھی وجہ سے کسی دوسری شے کا نشان بنالیا جاتا ہے چاہے اُن میں بظاہر کوئی مماثلت ہو نہ ہو۔(۱۰)

نشانیات کے حوالے سے رولاں بارتھ (۱۹۱۵ء۔۱۹۸۲ء) کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اس نے سیمیالوجی کے عناصر کو درج ذیل گروپوں میں تقسیم کیا ہے؛

Signified and signifier
Syntagm and system
Denotation and connotation

امریکی ماہر نشانیات چارلس ولیم مورس(Charles William Morris)(1901-1979) نے بھی نشانیات کے حوالے سے کام کیا۔ ان کی کتاب نشان، زبان اور رویہ(Sign, Language and Behavior) 1946 میں سامنے آئی۔ انھوں نے اشیاء، فرد اور نشانات کے باہمی تعلق کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے نشانات کے مطالعہ میں سماجی طرز عمل کو اہمیت دی۔(۱۱)

معروف اطالوی دانش ور امبرٹو ایکو(Umberto Eco) (1932-2016) نے نشانیات و جمالیات اور ابلاغی ثقافت کے حوالے سے قابل قدر کام کیا۔ وہ میلان پولی ٹیکنیک میں نشانیات کے پروفیسر کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ 1976 میں ان کی کتاب A Theory of Semiotics شائع ہوئی۔ نشانیات اور لسانیات کے حوالے سے انھوں نے نشان، علامت، رمز، استعارہ، تشبیہ کو موضوع بنایا۔ ان کے لسانی مطالعوں میں نشانیات کے گہرے اثرات کو دیکھا جاسکتا ہے۔(۱۲)

رولاں بارتھ(Ronald Barthes) نے زبان کو جنرل سائنس آف سائنز کا نام دیا ہے۔ اس کے خیال میں نشانات کا علم متھ، بیانیہ، جرنلزم، مختلف اشیاء اور سوسائٹی کے تمام موضوعات کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتا ہے۔(۱۳)

رولاں بارتھ نے ساسر کے نظریہ سائن کے حوالے سے سیگنیفائر اور سگنیفائیڈ کے تعلق کے بارے میں اپنا نقطہ نظر دیتے ہوئے اشیاء اور نشانات کے تعلق کو واضح کیا۔

لسانیات میں نشانیات کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ زبان کی بنیاد ہی نشانات پر رکھی گئی ہے اور اس کے علم کے لیے نشانیات کا میدان کلیدی کردار رکھتا ہے۔ ہماری پوری تحریر چاہے وہ شعر میں ہو یا نثر میں لسانی نشانات کی مدد معانی کی تشکیل کی طرف بڑھتی ہے: بقول قمر جمیل:

"شاعری کا ذریعہ اظہار تخیل۔ چنانچہ شاعری لفظوں کو نشانات (Signs) کے طور پر استعمال کرتے ہوئے یہ ہر قسم کی مادیت سے آزاد ہوتی ہے۔"(۱۴)

معنی نشان میں موجود نہیں ہوتے بلکہ یہ ایک دلچسپ کھیل ہے، متضاد کا تصور لا کر کسی چیز کو معنی دیئے جاتے ہیں اور اس طرح مفہوم پیدا کیا جاتا ہے۔ بقول قاضی قیصر الاسلام :

"معنی یا مفہوم ایک ایسی صورتحال کا نام ہے کہ جو کسی "نشان" میں فی الفور طور پر "موجود یا حاضر" ہی نہیں وہا کرتی۔ اب چوں کہ کسی "نشان" کے "معنی یا مفہوم" کا سارے کا سارا ماجرا ہی یہ ہے کہ یعنی "نشان" "وہ ہی کچھ" ہے کہ جو وہ "نہیں ہے"۔(۱۵)

یعنی ہم سایہ کا تصور جب معنی کی طرف لے کر جائیں گے تو پہلے سے ہمیں اجالے کے بارے میں بھی آگاہی ہو گی تب ہی یہ نشان چھاؤں یا سائے کی نمائندگی کرے گا۔ ہر نشان کا تعلق خارج سے ہوتا ہے خود اس کی داخلی بناوٹ سے نہیں ہوتا۔ یعنی ہر نشان اپنے تئیں یا اپنی ذات میں کسی قسم کا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ یہ معنی اسے جبراً پہنائے جاتے ہیں۔

نشانات میں سے ہر ایک نشان کسی نہ کسی قدر بعض دیگر تمام نشانات کے حوالہ جاتی تناظر میں مسافرت کے دوران اپنا اپنا سراغ پاتے ہیں اور یوں ان کی ایک ایسی پیچیدہ سی ساخت یا بافت تشکیل پاتی ہے کہ جو کبھی بھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ لہٰذا اگر اس اعتبار سے دیکھا جائے تو کوئی بھی "نشان" کامل یا خالص نہیں ہوتا۔ یعنی یہ نشان تن تنہا اپنی ذات میں بھرپور معنویت کا پیکر کامل نہیں ہوا کرتا۔(۱۶)

یہ لسانی اشارے زبان کی تشکیل اور ترتیب و تعمیر کا باعث بنتے ہیں اور زبان کو ایک ایسی شے بنا دیتے ہیں جو انسانی زندگی میں ناگزیریت کی طرح داخل ہو جاتی ہے اور اسے بے دخل کرنا ممکن نہیں رہتا انسان انھیں لسانی اشاروں کی مدد سے سوچتا ہے، پڑھتا ہے، سمجھتا ہے اور تمام کام سرانجام دینے کے لیے انھیں لسانی اشاروں کو روبہ عمل لاتا ہے۔ ان لسانی اشاروں کے حوالے سے دریدا کے نظریات پر روشنی ڈالتے ہوئے ضمیر علی بدایونی لکھتے ہیں:

"ہمیں متن سے باہر جھانکنے کی عادت ترک کر دینا چاہئے اگر یہاں کوئی حقیقت موجود ہے تو وہ زبان کی حقیقت ہے لسانی نشانات کا لامحدود نظام جو استعارہ در استعارہ سفر کرتا ہے اور معنی کو دائمی طور پر مؤخر کرتا رہتا ہے یعنی دنیائے معنی مستقل طور پر موجود نہیں بلکہ وہ لسانی نشانیات کی حرکت اور اشاروں کے کھیل سے پیدا ہوتی ہے۔ قاری اور متن کے درمیان رشتے بدلتے رہتے ہیں اس تبدیلی سے فن پارے کی معنویت بھی بدلتی رہتی ہے۔"(۱۷)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ زبان نشانات کے ساتھ ساتھ افتراق کو بھی ساتھ لے کر چلتی ہے۔ ہر نشان کو دوسرے سے ممتاز کرنے کے لیے ان نشانات کو فرق کے ذریعے سمجھا جاتا ہے۔ لفظ سَحَر کو صوتی اور معنوی اعتبار سے لفظ سِحر سے الگ سمجھا اور پڑھا جاتا

ہے۔زبان میں نشانات کا یہ فرق اوائل عمری ہی سے انسان کو سکھایا جاتا ہے بلکہ اتنا رٹایا جاتا ہے کہ یہ فرق اس کے حافظے اور یادداشت کا لازمی جزو بن جائے۔

دریدا نے اپنے خیالات کا آغاز سائسیر کے نظریہ سے کیا۔ سائسیر کو جب پتا چلا کہ زبان افتراق سے وجود میں آتی ہے اور افتراق اپنے اندر تضاد کی کیفیات رکھتا ہے تو اس نے زبان کے مثبت کردار کو سمجھانے کے لیے تفریقی عناصر کو ایک کاغذ کی دو طرفوں کے مترادف قرار دے کر انھیں ایک Sign (نشان) سے موسوم کیا۔یوں سائسیر نے دو افتراقی چیزوں کو اکٹھا کر کے وحدت کا روپ دے کر اسے نشان کا نام دے دیا۔ دریدا نے سائسیر کی اسی وحدت کو اپنے نظریے رد تشکیل سے توڑ دیا۔اس کے خیال میں ہر وہ متن جسے لکھا گیا ہے اسے اس کے مروجہ معنی سے بے دخل کیا جاسکتا ہے۔

نشانیات ایک ایسی سائنس ہے جس کا تعلق انسانی نفسیات سے بھی ہے اور اشیاء کی درجہ بندی سے بھی۔ انسان اپنے مزاج اور نفسیات کے زیر اثر مختلف چیزوں کو مختلف ناموں اور علامتوں سے جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر چیز کا وہ کوئی نہ کوئی نام رکھتا ہے۔ نام رکھنا دراصل اس چیز کو دوسری چیزوں سے الگ پہچاننے کے لیے ضروری ہے۔ ہر نشان دوسرے نشان سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح ہر وہ چیز جس کے لیے کوئی نشان مختص کیا جاتا ہے وہ دوسری چیز سے مختلف ہوتی ہے۔یہی اختلاف دراصل نشانیات کے علم کا جواز فراہم کرتا ہے۔

انسانی زندگی کا آغاز انھیں نشانات کو سمجھنے اور ان میں فرق کرنے سے ہوتا ہے اور یہ بات بچپن ہی سے ذہن نشین کرا کے لاشعور کا حصہ بنادی جاتی ہے۔ ہم الف کو ب سے، ب کو پ سے ت کو ٹ سے الگ جانتے ہیں اور ایسا ان نشانات کے علم سے ہوتا ہے جو کہ چیزوں میں فرق کرنا سکھاتا ہے۔اسی طرح ہم ۱، ۵، ۴، ۳، ۲ وغیرہ تمام نشانات کو ہندسوں کا نام دے کر شروع ہی سے ذہن نشین کرانے کا آغاز کرتے ہیں تاکہ یہ چیزیں ہماری یادداشت کا حصہ بن جائیں۔ انھیں صرف یاد کیا جاتا ہے، ان میں کوئی منطقی جواز نہیں ہوتا۔ ہر نشان بس ایک محض نشان ہے مگر اپنے اندر ایک پورا پس منظر اور جہان معنی لیے ہوئے ہے۔روسی نقادوں نے ہئیت اور زبان کے حوالے سے کافی کام کیا ہے۔

> ”ان لسانی نقادوں کے مطابق لسانی مرکب کا اولین عنصر نشان (sign) ہے یہ صرف کسی شے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک گھمبیر کل ہے جو صوتی رمز یہ کو ایک فکری تصور سے منسلک کرتا ہے۔ صوتی رمز یہ تصویر سے ان کی مراد وہ لسانی اظہار ہے جسے ہم سنتے ہیں یا جسے ہم سمجھتے ہیں جب ہم اسے پڑھتے ہوئے اپنے تصور میں وہی لسانی اظہار سمجھتے ہیں۔ایک زبان ایک نظامِ نشانات ہے جو خیالات کو ادا کرتا ہے اس لیے ہم اسے حروف ابجد میں تبدیل کرتے ہیں۔۔اسے ہم semiology علم نشانات یا علامات بھی کہہ سکتے ہیں۔“ (۱۸)

نشانیات کے حوالے سے لسانیات کی پروفیسر رقیہ حسن(1931-2015) کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے جو کہ انگلینڈ کی مختلف یونیورسٹیوں اور سڈنی میں Macquarie میں پڑھاتی رہی ہیں۔(Wikipedia)

اس کی مشہور کتابوں میں

Linguistics, Language and Verbal Art (1985)
Ways of saying ways of meaning (1996)
Semantic variation: meaning in society and in sociolinguistics (2009)
Describing Language (2014)

شامل ہیں۔

رقیہ حسن نے نشانیات کے حوالے سے مطالعہ کیا اور متنی حوالے سے اصول وضع کیے۔ ان کے خیال میں متنی مطالعے کے حوالے سے جدید لسانیات میں نشانیات کو اہم کردار حاصل ہے۔

اسی طرح رقیہ حسن کے شوہر مائیکل ہالیڈے کی 1975 میں شائع ہونے والی کتاب :Learning how to meaning Explorations in the Development of Language اور 1978 میں شائع ہونے والی کتاب Language as Social Semiotic بھی نشانیات اور لسانی حوالے سے اہمیت کی حامل ہیں۔

سوشل سیموٹکس اور سوشل سیمنٹکس دراصل سیموٹکس کی شاخیں ہیں۔ جو کہ زبان کے کردار میں سوشل اور کلچرل ماحول کے حوالے سے اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ کسی مخصوص معاشرے میں انسانی زبان کو نشانیاتی حوالے سے مطالعہ کرنے کی کام آتی ہیں۔ ڈی ساسر نے سیموٹکس کو نشانات کی زندگی کی سائنس ہے۔

سوشل سیموٹکس میں زبان کے کوڈ اور ابلاغیات کے سوشل پراسس کو دیکھا جاتا ہے۔(۱۹)

اردو میں ابتدائی طور پر ڈاکٹر محمد علی صدیقی نے جہاں ساختیات اور لسانیات کے مختلف مباحث پر بات کی وہیں نشانیات کے حوالے سے بھی قلم اٹھایا۔ زبان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "دراصل ہر فلسفہ زبان کے پس پشت ایک مخصوص نظریہ حیات کی عمل داری ہوتی ہے۔ اگر ہم اجزا کی قیمت پر "نشانیہ" زبان (Sign Language) استعمال کرنا چاہتے ہیں تو وہ روایت اور تہذیب کے خلاف یکسر بغاوت ہو گی۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان ہر دور اور ہر زمانے میں خیالات اور محسوسات کے اظہار کا وسیلہ رہی ہے۔ اسے نشانات(signs) کا ایک سسٹم تسلیم کیا جائے یا اسماء اور افعال کے ساتھ ایک نحوی رشتہ کو ارتباط بخشنے کی سائنس ہر حالت میں زبان انسانی رویہ کی ایک جھلک ہے۔"(۲۰)

نشانیات کے حوالے سے مرزا خلیل احمد بیگ کا کام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے نشانیات کے حوالے سے قابل قدر کام کیا ہے۔ ان کی کتاب تنقید اور اسلوبیاتی تنقید میں بھی اس حوالے سے کئی باتیں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنے مضامین میں بھی نشانیات کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"نشانیات ایک قدیم علم ہے جس کا سراغ تیسری صدی قبل مسیح کے دوران یونان کے اسٹوئل فلسفیوں (Stoic Philosophers) کے یہاں ملتا ہے۔ لیکن نشانیات کو نشانات کی سائنس (Science of Signs) کے طور پر برتنے کا کام سب سے پہلے سترھویں صدی کے نصف آخر میں جان لاک نے انجام دیا۔ بیسویں صدی کے آغاز سے یورپ اور امریکہ میں جدید نشانیات (Modern Semiotics) کا فروغ ہوتا ہے۔ بیسویں صدی میں سب سے پہلے یورپ میں فرڈی نینڈی سیور نے جدید نشانیات کو فروغ دیا۔"(۲۱)

مرزا خلیل احمد بیگ نے نشانیات کے حوالے سے کیے گئے کام کا بھی احاطہ کرنے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے انھوں نے پروفیسر ہرجیدر سنگھ کے نشانات کے حوالے سے فکشن کے مطالعہ کا جائزہ بھی پیش کیا۔

ہرجیدر سنگھ نے جس انداز میں سوہنی مہینوال کے قصے کا نشانیاتی مطالعہ کیا ہے وہ نشانیات کے باب میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔ بھی کیا ہے۔ انھوں نے اس کہانی کی نشانیاتی ترتیب (Semiotic Order) کو اس کی افقی ترتیب (Syntagmatic Order) قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں نشانیاتی سطح پر یہ کہانی دو انسانوں کے روحانی ملاپ پر ختم ہو جاتی ہے۔ انھیں اس کہانی کے متن میں افقی ترتیب کے علاوہ عمودی ترتیب (Paradigmatic Order) بھی صاف نظر آتی ہے۔ دریا کے دونوں سمت تضاد (Contrast) ہے۔ کچا گھڑا اور پکا گھڑا بھی دو متضاد علامتیں ہیں۔ ایک طرف رات کی پراسراریت، تاریکی اور دریا کی تیز و تند لہریں ہیں تو دوسری طرف ملاپ کا سکھ۔ اگر شہزادگی ہے تو فقیرانہ زندگی بھی ہے۔ مکر و فریب ہے تو صداقت، خلوص اور ایثار بھی ہے۔ یہ تمام چیزیں کہانی میں عمودی حیثیت کی حامل ہیں۔ مجموعی طور پر سوہنی مہینوال ایک ایسی عوامی کہانی ہے جس میں علامت سازی کا عمل حد درجہ وسیع اور متنوع ہے، اس لیے اس کا نشانیاتی مطالعہ بے حد دلچسپی کا حامل ہے۔(۲۲)

سکندر احمد نے بھی اپنے تنقیدی مضامین میں متن کی قرأت کے حوالے سے کئی جگہ نشانیات کا ذکر کیے بغیر الفاظ کو نشان زد کر کے ان کے معانی کو مستعمل زبان، ماحول و مقام کے تناظر میں پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ادیب اور قاری کے درمیان ایک مواصلاتی نظام کے ہونے کی بات کرتا ہے۔

غضنفر کے افسانے پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"غضنفر نے فولاد کے کارخانے، کپڑوں کی ملیں، عطر سازی وغیرہ کا ذکر تو بالواسطہ کیا ہے تاہم کمپیوٹر اور ہندسوں پر مبنی Digital system کا ذکر علامتوں کے ذریعے کیا ہے۔"(۲۳)

اپنے مضمون "باغ کا دروازہ: دروازے کی کلید" میں وہ علامت اور نشانیات کی مدد سے طارق چھتاری کے ایک کثیر الاقساط افسانے "باغ کا دروازہ" کا تجزیہ پیش کیا ہے۔اس مضمون میں انھوں نے متن کی تفہیم کے لیے نشانیات کے ماہر Michael Riffaterre کا ماڈل استعمال کیا ہے جو کہ انھوں نے Riffaterre کے مضمون Literariness and significance سے لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حالانکہ Refesnt نشانیات یعنی Semiotic کی اصطلاح ہے موجودہ تناظر میں سہل ترین انداز میں اسے فکشن کے مواد کے مماثل سمجھا جاسکتا ہے۔"(۲۴)

Michael Riffaterre کی نشانیات کے حوالے سے ایک کتاب *Semiotics of Poetry* 1978ء میں سامنے آئی۔

اسی طرح سکندر احمد دال اور مدلول(signifier اور signified) کے حوالے سے بات کرتے ہوئے اپنے مضمون "افسانے کے قواعد" میں لکھتے ہیں:

"یہ وضاحت ضروری ہے کہ وضعیات اور مابعد وضعیات signifier/ signified یعنی دال اور مدلول کے مکڑ جال میں الجھا کر قاری کو متن سے باہر لے جاتے ہیں۔ کبھی ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ متن تو صرف مدلول کی حیثیت رکھتا ہے دال تو متن کے باہر ہے۔"(۲۵)

زبان اور لسانیات کے حوالے سے نشانیات کی مدد سے ہم بہت سی ایسی چیزوں کا مطالعہ کرسکتے ہیں جو کہ زبان اور متن کو سمجھنے میں ہماری معاون ہوسکتی ہیں۔نشانیاتی مطالعہ ادبی تنقید میں نئے تنقیدی افق کی تلاش کو ممکن بناسکتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ خلیل احمد بیگ مرزا،ادب اور نشانیات، قومی زبان کراچی، شمارہ دسمبر 2001ء، ص48

2. *Introduction to linguistic structures, by Archibald A. Hill. New York, Harcourt, Brace and , page 61958*
3. *page 41958 --Introduction to linguistic structures, by Archibald A. Hill.*

۴۔ (ویب سائٹ، وکی پیڈیا، LSA)

۵۔ اے جنرل انٹروڈکشن ٹو تھی سیمائٹکس، چارلس سینڈر پائرس از جیمز جیکب لیازکا، ص1، انڈین یونیورسٹی پریس ڈاٹ کام

۶۔ ایضاً

7. *Logic as semiotic: the theory of signs, by Charles in book photographic theory edited by Andrew E. Hershberger. WILKEY Blackwell, page 101*

۸۔ ایضاً، page.101

9. *https://en.wikipedia.org/wiki/Semiotic_theory_of_Charles_Sanders_Peirce*

۱۰۔ سہیل احمد خان ڈاکٹر، منتخب ادبی اصطلاحات، لاہور، شعبہ اردو جی سی یونیورسٹی، 2005ء، ص180,181

11. *https://en.wikipedia.org/wiki/Charles_W._Morris*
12. *https://en.wikipedia.org/wiki/Umberto_Eco*

13. Element of semiology, Pub Hill and Wang 1968

۱۴۔ قمر جمیل، جدید ادب کی سرحدیں، جلد دوم، کراچی، مکتبہ دریافت، 2000ء، ص144

۱۵۔ قاضی قیصر الاسلام، پس ساختیات، مشمولہ مابعد جدیدیت۔ نظری مباحث (حصہ اول) مرتبہ ناصر عباس نیّر، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ص151

۱۶۔ ایضاً، ص154

۱۷۔ ضمیر علی بدایونی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت، کراچی اختر مطبوعات، 1999ء، ص333

۱۸۔ صدیق کلیم، فکر سخن، لاہور مجلس ترقی ادب، ص266

19 .Social Semiotics – Wikipedia

۲۰۔ محمد علی صدیقی ڈاکٹر، نشانات، کراچی، ادارہ عصر نو، 1981ء، ص94

۲۱۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ادب اور نشانیات، سمت، شمارہ 3، اپریل تا جون 2006ء

۲۲۔ ایضاً

(گل ہرجیت سنگھ، Structuralism and Literary Criticism، نئی دہلی، باہری پبلی کیشنز، 1986، ص44)

۲۳۔ مضامین سکندر، مرتبہ غزالہ سکندر، دہلی، عرشیہ پبلیکیشنز، 2013ء، ص91

۲۴۔ ایضاً، ص106

۲۵۔ ایضاً، ص229

☆☆☆☆☆